اقبالؒ کا تصوّرِ ملّت

غلام حیدر آسی، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد

تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کوئی معاشرہ طاغوتی قوتوں کا شکار ہو کر ذلت و پستی اور نکبت و تباہی کے مہلک غاروں کی طرف بڑھنے لگتا ہے تو رحمتِ الٰہی جوش میں آکر کسی پیغامبر یا مصلح کو بھیج کر اس عظیم خطرہ سے اسے نجات دلاتی ہے۔ انسانیت اور اسلام کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تخلیقِ آدم کے ساتھ ہی حق و باطل کی وہ ازلی و ابدی پیکار شروع ہوئی جو قافلہ انسانیت کو بامِ عروج تک پہنچانے اور حق کو غالب کرنے میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز　　چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی!

تاریخ ادیان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں دین قومی تھا جیسے مصریوں اور یونانیوں کا، پھر نسلی بنیادوں پر قائم ہوا جیسے یہودیوں کا۔ مسیحیت نے اسے انفرادی قرار دیا، لیکن خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے دینِ انسانیت پیش کر کے انعامِ خداوندی کو عام کر دیا۔ [1]

قانونِ فطرت کے تحت جب کبھی عالمِ اسلام کی کشتی گرداب میں پھنسی، خالقِ کائنات نے کسی مردِ باصفا اور انسانِ صالح کے ذریعہ اسے پھر دریائے حیات کی موجوں پر فتح و کامرانی سے رواں دواں کر دیا۔ امام غزالیؒ، امام ابن تیمیہؒ شاہ ولی اللہؒ، جمال الدین افغانیؒ وغیرہم ملتِ اسلامیہ کے ایسے ہی ناخدا ہیں۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں شاہ ولی اللہؒ نے تجدیدِ احیائے دین کا بیڑا اٹھایا۔ اور سب سے پہلے ایک نئی روح پیدا کرنے کا احساس کیا لیکن

---

[1] مقالات اقبال صفحہ ۲۲۴ مرتبہ سید عبدالواحد معینی مطبوعہ شیخ محمد اشرف لاہور مئی ۱۹۶۳ء۔ سیرتِ اقبال از محمد طاہر فاروقی صفحہ ۱۶۴ قومی کتب خانہ لاہور، ۱۹۶۶ء۔

اس عظیم الشان فریضے کی حقیقی اہمیت و وسعت کا پورا پورا اندازہ تھا تو سید جمال الدین افغانی کو جو اسلام کی حیاتِ ملّی اور حیاتِ ذہنی کی تاریخ میں بڑی گہری بصیرت کے ساتھ ساتھ طرح طرح کے انسانوں اور اُن کے عادات و خصائل کا خوب خوب تجربہ رکھتے تھے۔" ؎۲

اس سلسلہ کی مضبوط اور نمایاں کڑی وہ شخصیت ہوئی جس نے اسلام (نظامِ فکر و عمل) میں تمام عجمی تصورات کی تردید کرکے اس کی سائینٹیفک تعبیر پیش کی۔ یہ مردِ فقیر، خود آگاہ و خدامست، پیامبرِ خودی و بیخودی علومِ مشرق و مغرب کا خزینہ، توقیر و تمکینِ آدمیت کا مبلغ اور زوالِ انسانیت پر بیتاب و دردمند تھا۔ ربّ صمد و قدیر نے اس کے جسدِ خاکی میں ایک مصلح حیات و انسانیت مفکّرِ عظیم، شاعر و حکیم اور محی الملت والدین کو جمع کر دیا تھا۔ یہ علامہ اقبالؒ تھے۔ جنہوں نے اپنے وسیع و عمیق مطالعہ سے اس صداقت کو پالیا تھا کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو اپنے نظامِ فکر و عمل سے پوری انسانیت کو ازلی و ابدی بنیادوں پر متحد کرکے اسے کامیابی و کامرانی کے نقطۂ عروج سے ہمکنار کرا سکتا ہے۔

اس حقیقت پر ایمان و یقین کے بعد اس نے وراثتِ پیغمبری کا حق ادا کیا اور پوری انسانیت کو حقیقتِ اسلام سے آگاہ کیا۔ اسے فلاح و نجات کی راہ دکھائی، اتحاد و اتفاق کی دعوت دی۔ عہدِ الست و بارِ امانت یاد دلایا۔ جنہوں نے اس دعوت کو اپنایا اور ہدایت و صراطِ مستقیم پر گامزن ہوئے، انہیں ایک لڑی میں پرو کر ملتِ اسلامیہ سے تعبیر کیا۔ اور جن کی آنکھیں اس نورِ ہدایت سے محروم رہیں انہیں ملتِ کفر کی زنجیر میں باندھا۔

یہ امر مسلّم ہے کہ فکرِ اقبال کا سرچشمہ قرآن مجید ہے، اتحاد و فلاحِ انسانیت کی پیام بر ہر ریب سے منزہ اور منزل من اللہ کتاب ہے، لہٰذا اقبال کا پیش کردہ تصورِ ملت بھی اسی کتابِ حکیم سے مستنبط ہے۔

قرآن مجید نے بنی نوعِ انسان کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ (التغابن - ۲)

ایک وہ جماعت جو خالق کی مطیع اور کائنات پر فرمانروا ہے۔ دوسری وہ جماعت جو مخلوق کی فرمانبردار اور خالق کی نافرمان ہے۔ اقبال نے اوّل الذکر جماعت کو ملت کے نام سے موسوم کیا، جس کا دوسرا نام امتِ وسطیٰ یا امتِ مسلمہ ہے۔

؎۲ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ صفحہ ۱۴۵-۱۴۶ مترجم سید نذیر نیازی، بزمِ اقبال لاہور ۱۹۵۸ء

قرآن مجید میں لفظ ملت تقریباً پندرہ مرتبہ استعمال ہوا۔ اور ہر مقام پر اس کے معنی شرع و منہاج ہیں۔ لفظ امت بھی دین و مذہب اور ایک مسلک و مذہب کا اتباع کرنے والی جماعت کے معنی میں آیا ہے۔ لیکن لفظ قوم صرف گروہ یا مردوں کی جماعت کے لئے مستعمل ہوا ہے اور یہ جماعت (قوم) باعتبار قبیلہ، نسل، رنگ، زبان، وطن و اخلاق ہزار جگہ اور ہزار رنگ میں ہو سکتی ہے*۔ لیکن ملت سب جماعتوں کو تراش کر ایک نئی جماعت کی بنیاد رکھتی ہے۔ بقول اقبال "ملت یا امت اقوام کی جاذب ہے خود ان میں جذب نہیں ہو سکتی۔"[۳] لہٰذا قوم اسلام یا قومیتِ اسلام صرف اور صرف امت مسلمہ یا ملّتِ اسلامیہ ہے اور اقبال نے بھی ملت کے یہی معنی لے کر اسے قوم کے لئے استعمال کیا ہے[۴]۔ جب کوئی قوم، قومیت اسلام کو اختیار کرتی ہے تو اسے باقی تمام سابقہ قومی اعتبارات کو اسلامی اعتبارات کے تابع کرنا پڑتا ہے۔ قلب و نظر اور فکر و عمل کی یہی شہادت قریش مکہ کے لئے اسلام لانے میں حائل تھی۔

لغتِ غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی   تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لَا اِلٰہ اِلَّا[۵]

صرف اسلام ہی اللہ کا دیا ہوا دینِ انسانیت ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام لہٰذا وہی انسانوں کی صلاح و فلاح کا ضامن اور پوری انسانیت کی وحدت کا داعی ہے۔ "اگر عالم بشریت کا مقصد اقوامِ انسانی کا امن و سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام بنانا قرار دیا جائے تو سوائے نظامِ اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آ سکتا کیونکہ ...... اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔"[۶] ان معتقدات پر مبنی دستور العمل ہی عالم بشریت کے اتحاد کے لئے انسانی جذبات و افکار میں یک جہتی و ہم آہنگی پیدا کر کے اسے ایک امت کے قالب میں ڈھال دیتا ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال نے قومیت کے اسلامی تصور کو دوسری اقوام سے مختلف و ممتاز کرتے ہوئے فرمایا "ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراکِ زبان ہے نہ اشتراکِ وطن، نہ سیاسی و اقتصادی اغراض بلکہ ہم سب لوگ اس

---

* ملت کے معنی قوم و امت بھی ہیں اور فارسی میں اس کے یہی معنی عام ہیں۔ علامہ اقبال نے اس وجہ سے ملت کو بھی بمعنی امت استعمال کیا ہے۔

[۳] مقالات اقبال صفحہ ۲۲۱، سیرت اقبال صفحہ ۱۴۷۔ [۴] مقالات اقبال صفحہ ۲۲۱، سیرت اقبال صفحہ ۱۵۴

[۵] بال جبریل صفحہ ۶۸۔ [۶] مقالات اقبال صفحہ ۲۲۴، سیرتِ اقبال۔ صفحہ ۱۴۵

برادری میں جو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی اس لئے شریک ہیں کہ مظاہرِ کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے اور جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں پہنچی ہیں۔ وہ بھی ہم سب کے لئے یکساں ہیں۔ اسلام تمام مادّی قیود سے بیزاری کرتا ہے اور اس کی قومیت کا دارومدار ایک خاص تہذیبی تصور پر ہے جس کی تجسیمی شکل وہ جماعتِ اشخاص ہے جس میں بڑھتے اور پھیلتے رہنے کی قابلیت طبعاً موجود ہے؛[شے]

اقبال کا تصوّرِ ملت قومیت کا اسلامی تصور ہے اس لئے وہ ملت ان افرادِ انسانی کے مجموعہ کو کہتے ہیں جن کی مکمل ہستی پر مذہب حاوی ہو۔ منظاہر آفرینش کے متعلق وہ ایک خاص پہلو سے نظر ڈالتے ہوں[شہ] ۔ بالفاظ دیگر وہ بخشندۂ وجود کی عطا کردہ بصیرت ایمانی سے خیر و شر اور خوب و زشت کے متعلق یکساں معیار رکھتے ہوں[۹]

قوم را اندیشہ ھا باید یکے　　　　در ضمیرش مدعا باید یکے
جذبہ باید در سرشتِ اویکے　　　　ہم عیار خوب و زشت اویکے
ما مسلمانیم و اولادِ خلیل　　　　از ابیکم گیر اگر خواہی دلیل　　　　[۱۰]

ملت اسلامیہ کی بنیاد ایمان و یقین اور مذہب و عقائد پر مبنی ہے اس لئے افرادِ ملت یکجان اور مختلف قالب ہیں۔

ملتِ مارا اساسِ دیگر است　　　　ایں اساس اندر دلِ ما مضمر است
حاضریم و دل بغائب بستہ ایم　　　　پس ز بندِ ایں و آں وارستہ ایم
رشتۂ ایں قوم مثل انجم است　　　　چوں نگہ ہم از نگاہ ما گم است
تیر خوش و پیکاں یک کیشیم ما　　　　یک نما، یک بیں، یک اندیشیم ما
مدعائے ما مآلِ ما یکیست　　　　طرز و اندازِ خیال ما یکیست
ما ز نعمتہائے او اخواں شدیم　　　　یک زباں و یکدل و یک جاں شدیم　　　　[۱۱]

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے　　　　یہی قوت ہے جو صورت گر تقدیرِ ملت ہے　　　　[۱۲]

افرادِ ملت کے ازلی و ابدی صداقتوں پر مبنی معتقدات پر ایمان و ایقان کا نام مذہب ہے اور یہی شے ہے جو پوری انسانیت کو باوجود فطری امتیازات، جذباتی اختلافات اور متعارض تمنیات

شے مقالات اقبال صفحہ ۱۲۰ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر۔ شہ مقالات اقبال صفحہ ۱۲۳۔ ۹ فکر اقبال صفحہ ۵۰۸ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم بزمِ اقبال لاہور ۱۹۶۴ء۔ ۱۰ اسرار و رموز صفحہ ۱۰۶۔ ۱۱ اسرار و رموز صفحہ ۱۰۷۔ ۱۲ بانگ درا صفحہ ۲۱۱

کے سلکِ وحدت میں پروتی ہے۔ یہی دینِ قیّم ان میں وحدتِ فکر و نظر، ذوقِ سعی و عمل اور جذبۂ توقیر و تعظیمِ آدم پیدا کرتا ہے انہیں اصلاحِ احوالِ انسانیت اور ترویجِ قوانین و احکامِ الٰہی کے لئے تمام باطل قوتوں کے خلاف جہاد پر آمادہ کرتا ہے۔ یہی ان کی معاش و معاد کی فلاح و نجاح کا ضامن اور قوت و استقامت کا مرکز و مدار علیہ ہوتا ہے۔ جونہی افرادِ انسانی اس مرکز و محور سے ہٹے ان کی قوت و جمعیت انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ اتحادِ ملت پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین کی بنا کردہ قوم کی ترکیب تمام دیگر اقوام سے جدا اور خاص ہے اس کا مرکز و محور "الدّین" ہے اور وہی قوت و اتحاد کا مدار علیہ ہے

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں — اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی [۱۳]

مذہب سے ہم آہنگیٔ افراد ہے باقی — دیں زخمہ ہے جمعیتِ ملت ہے اگر ساز [۱۴]

الاسلام دینِ انسانیت اور آئینِ فطرت ہونے کی بنا پر اپنی ملت و قوم کے اساسی ارکان میں سے اولیٰ ترین و اہم ترین رکن توحید کو قرار دیتا ہے، ہدایت یافتہ انسانوں کا یہ وہ نقطۂ ارتکاز ہے جس کے لئے وہ تمام عارضی و قومی اعتبارات سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو اسی ذاتِ بے ہمتا کی اطاعت کے لئے مخصوص کر لیتے ہیں۔ اس طرح ازلی و ابدی صداقتوں اور حقائقِ اصلیہ کو قبول کر کے ان کا دائرۂ کار دوامی و لامکانی ہو جاتا ہے۔ اپنے آپ کو ذاتِ مطلق کے حوالے کر دینے سے درحقیقت وہ اپنی فطرتِ صحیحہ کی پیروی کرتے ہیں۔ [۱۵]

اسی عقیدۂ توحید سے ان کے زاویۂ نگاہ، معیارِ خیر و شر، جذبات و افکار، اعمال و اخلاق اور اجسام و ارواح میں وحدت پیدا ہوتی ہے۔

ملتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ — ساز ما را پردہ گرداں لا الٰہ
لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما — رشتہ اش شیرازۂ افکارِ ما
ملت از یک رنگیٔ دلہا ستے — روشن از یک جلوۂ سینا ستے [۱۶]

اسی نقطۂ توحید سے ان میں دوام و آفاقیت کی شان پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی حقیقت کی ابتدا و انتہا ہے۔

---

[۱۳] بانگِ درا صفحہ ۲۷۹۔ [۱۴] بانگِ درا صفحہ ۲۷۰۔ [۱۵] تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ۔ [۱۶] اسرار و رموز صفحہ ۱۰۷

نقطۂ ادوارِ عالم لَا اِلٰہ انتہائے کارِ عالم لَا اِلٰہ [۱۷]

ملتِ اسلامیہ کا دوسرا اساسی رکن عقیدۂ رسالت وختم نبوت ہے۔ اس جماعت میں شامل ہونے والے کو دل و زبان سے گواہی اور فعل و عمل سے ثبوت دینا پڑتا ہے کہ وہ رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم کو پیامبر دینِ انسانیت اور خاتم الانبیاء مانتا ہے۔ وحدت پیدا کرنے والا دینِ فطرت اور دینِ مبین انہا نے وحی الٰہی کے ذریعہ بتایا، وہ اس ملت کی تشکیل کا موسسِ کامل ہے اور نوعِ انساں کے لئے پیام آخریں لانے والا ہے اس محافظِ انسانیت و معلّم کتاب و حکمت کا عشق قومِ مسلم کا سرمایۂ قوت اور ملت کی وحدت کا راز ہے:-

از رسالت در جہاں تکوینِ ما از رسالت دینِ ما آئینِ ما

از رسالت ہم نوا گشتیم ما ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما [۱۸]

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفلِ ایام را او رسل را ختم، ما اقوام را

قوم را سرمایۂ قوت ازو حفظِ سرِّ وحدتِ ملت ازو

دل ز غیر اللہ مسلماں بر کند نعرۂ لا قوم بعدی می زند [۱۹]

عشقِ محمدی میں سرشار ہو کر ہر گام اور ہر آن ہمیں اس نورِ حق خیر البشر کو اسوہ بنانا ہے کیونکہ صرف وہی اسوۂ حسنہ ہے جس میں تکمیلِ انسانیت کا راز مضمر ہے وہی ہمارے لئے معیارِ زشت و خوب اور منبعِ دین و حکمت ہے:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است [۱۹-الف]

ہست دینِ مصطفیٰ دینِ حیات شرعِ او تفسیرِ آئینِ حیات

اسرار و رموز صـ ۱۴۸

بر عیارِ مصطفیٰ خود را زند تا جہانے دیگرے پیدا کند [۲۰]

ملتِ اسلامیہ کا تیسرا رکن کتاب اللہ ہے یہی اس قومِ مسلم کا آئینِ حیات و ممات، رہبرِ کامل مرکزِ زیست اور نوعِ انساں کا آخری پیام ہے:-

---

[۱۷] اسرار و رموز صفحہ ۱۶۱۔ [۱۸] اسرار و رموز صفحہ ۱۱۶۔ [۱۹] اسرار و رموز صفحہ ۱۱۸۔

[۲۰] پس چہ باید کرد صفحہ ۲۷۔

[۱۹-الف] اسرار و رموز صفحہ ۱۴۸

ہستیِ مسلم ز آئین است و بس ! — باطنِ دینِ نبی ایں است و بس
تو ہمی دانی کہ آئینِ تو چیست ؟ — زیرِ گردوں سرِّ تمکینِ تو چیست ؟
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم — حکمتِ او لایزال است و قدیم [۲۱]
نوعِ انساں را پیامِ آخریں — حاملِ او رحمۃ للعالمین !
گر تو می خواہی مسلماں زیستن ! — نیست ممکن جز بقرآں زیستن [۲۲]
از تلاوت بر تو حق دارد کتاب — تو ازو کامے کہ می خواہی بیاب ! [۲۳]
از یک آئینی مسلماں زندہ است — پیکرِ ملّت ز قرآں زندہ است [۲۴]

اگر ملّتِ اسلامیہ کا فرد جراَتِ ایمانی، بصیرتِ نورانی اور دلِ آگاہ کا حامل اور ابلاغ و تبلیغ حقیقت کے فریضہ میں صاحبِ کتاب کی مانند احساس ذمہ داری رکھتا ہے تو وہ اس نورِ حق کی روشنی سے جہانِ نو پیدا کر لیتا ہے:۔

چوں مسلماناں اگر داری جگر ! — در ضمیرِ خویش و در قرآں نگر
صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست — عصرہا پیچیدہ در آناتِ اوست
یک جہانش عصرِ حاضر را بس است — گیر اگر در سینہ دل معنی رس است
بندۂ مومن ز آیاتِ خدا است — ہر جہاں اندر برِ او چوں قبا است
چوں کہن گردد جہانے در برش — می دہد قرآں جہانے دیگرش ! [۲۵]

ملّتِ اسلامیہ کے تینوں بنیادی ارکان، واحد و لاشریک ہستیِ مطلق کی اطاعت اور اس کے قوانینِ حقہ کی ترویج کے لئے اپنی زندگی و قویٰ وقف کرنا، دینِ مبین کے حامل اور اصلاحِ انسانیت کے علمبردار حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم، خاتم الانبیاء رحمۃ للعالمین کی سُنت کو اپنانا اور اسی کو معیارِ زیست بنانا، اور آئینِ حق، پیامِ لازوال، کتاب اللہ کو رہبرِ کامل سمجھ کر اس کے مقررہ اصولوں پر کاربند رہنا اس ملّت کے اتحاد و مرکزیت کے ضامن ہیں۔ انہی سے اس امتِ عادل میں آفاقیت و دوام کی شان پیدا ہوتی ہے۔ اس ملّت کی رکنیت مکان و زماں، رنگ و نسب، اور حدود و ثغور کی پابند نہیں بلکہ جس نے

---

[۲۱] اسرار و رموز صفحہ ۱۴۰۔ [۲۲] اسرار و رموز صفحہ ۱۴۲۔ [۲۳] اسرار و رموز صفحہ ۱۴۳۔
[۲۴] اسرار و رموز صفحہ ۱۴۵۔ [۲۵] جاوید نامہ صفحہ ۷۲، ۷۳۔

بھی پیمانِ الست باندھ لیا اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و قوانین اور نظامِ قرآنی کی ترویج کے لئے اپنی حیات وقف کردی وہ اس دوامی و آفاقی برادری کا رکن رکین بن گیا۔

"قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔" (الانعام - ۱۶۳)

اسلام کی اس ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا محیط ناپیداکنار ہے کیونکہ صرف یہی اجتماعی نظام، انسانیت کی فلاح و نجاح کا ضامن، ترقی و خوشحالی کا سبب اور حقیقت و صداقت کا حامل ہے "نبوت محمدیہ کی غایت الغایات یہ ہے کہ ایک ہیئت اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اس قانونِ الٰہی کے تابع ہو جو نبوت محمدیہ کو بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوا تھا۔" ۲۶ اس کے قیام سے پیکرِ خاکی کو ایسا ملکوتی تخیل عطا ہو جاتا ہے جو اسے ابدیت سے ہمکنار کر دیتا ہے اور بنی نوع انسان باوجود اختلافاتِ شعوب و قبائل اور الوان و السنہ، زمان و مکان، وطن و قوم، نسل و نسب اور مقصد عارضی کی آلودگیوں سے منزہ ہو جاتی ہے۔

اسی طرح نگاہوں میں شانِ آفاقی پیدا ہو جاتی ہے اور ہر فردِ ملت خود کو پوری انسانیت (روح کل) کا لازمی اور فعال جزو گردانتا ہے۔

دِلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے — نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو اندازِ آفاقی ۲۷

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے — نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر ۲۸

رہے گا وادیِ نیل و فرات میں کب تک — ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لئے ۲۹

نہ چینی و عربی وہ نہ رومی و شامی — سما سکا نہ دو عالم میں مردِ آفاقی ۳۰

درویشِ خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی — گھر اس کا نہ دِلی نہ صفاہاں نہ سمرقند ۳۱

اس ملت کا وجود اس کے حدود و ثغور پر مبنی نہیں بلکہ اپنے موسس کامل رحمۃ للعالمین سے عشقِ کامل اور آئینِ حق کی اتباع پر مبنی ہے۔

نہیں وجود، حدود و ثغور سے اس کا — محمدِ عربی سے ہے عالمِ عربی ۳۲

برگ و ساز ما کتاب و حکمت است — ایں دو قوت اعتبار ملت است ۳۳

علامہ اقبال نے اس تصورِ ملت اور قومیت اسلام کی تشریح و توضیح اور نشر و اشاعت اس وقت شروع کی

---

۲۶ مقالاتِ اقبال صفحہ ۲۴۳ و سیرتِ اقبال صفحہ ۲۰۴۔ ۲۷ بالِ جبریل صفحہ ۸۶۔ ۲۸ بانگِ درا صفحہ ۲۰۱۔ ۲۹ بالِ جبریل صفحہ ۳۷۔ ۳۰ بالِ جبریل صفحہ ۹۶۔ ۳۱ بالِ جبریل صفحہ ۴۳۔ ۳۲ ضربِ کلیم صفحہ ۶۱۔ ۳۳ پس چہ باید کرد صفحہ ۴

جب انہوں نے مغرب میں جاکر اپنی آنکھوں سے بتانِ رنگ و خوں کو بنتے دیکھا۔ ان کی طبع رسا اور قلبِ سلیم نے بھانپ لیا تھا کہ فلارنسوی باطل پرست نے جس زور سے دین و دولت کی جدائی کا نظریہ پیش کیا اور مغرب نے جو قبولیت اسے بخشی اس کا واضح ترین مقصد ہدایت یافتہ انسانیت کو بھرلات و منات کا پجاری بنا کر آپس میں فساد و خون پر آمادہ کرنا ہے۔ اقبال کو افرنگی تہذیب سے نفرت ہے تو محض اس بنا پر کہ وہ روحانیت کے لئے موت اور انسانیت کے لئے فتنۂ عظیم ہے۔ یہاں یہ امر ذہن نشین رہے کہ اقبال کے ہاں مغرب یا افرنگی تہذیب سے مراد وہ فلسفۂ حیات ہے جس کی بنیاد مادہ پرستی پر ہے۔ اس نظریہ حیات کی رو سے دنیا نے محسوسات میں اللہ کی قائم مقامی قوانینِ فطرت کرتے ہیں۔ اسی لئے ان کا خدا، ان کی زندگی اور ان کے اعمال و مقاصد تمام مادی دیواروں میں محصور ہیں اور یہی دنیوی زندگی میں ان کا منتہیٰ ہے۔ جب اقبال کی بصیرت نے قرآنی نظریۂ حیات اور مغرب کے فلسفۂ حیات و سیاسیات و عمرانیات کا موازنہ کیا تو اس پر واضح ہوا کہ مغربی تہذیب و تمدن دنیا میں جہنم پیدا کرنے لگا ہے۔ اس لئے اس مردِ خدا نے اس کے عواقب و نتائج سے پوری انسانیت کو آگاہ کیا۔

آدمیت زار نالید از فرنگ ؛ زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ ؛
مشکلات حضرت انساں از دست آدمیت را غم پنہاں از دست !
در نگاہش آدمی آب و گل است کاروانِ زندگی بے منزل است ! [۲۴]

استعماری قوتوں نے جب اپنے نظریۂ وطنیت و قومیت کو اسلامی تصورِ حیات میں شامل کرنے کی ناپاک جسارت کی تو عجمی تصورات کے پروردہ اسلام کے پیروکاروں نے اسے اپنے لئے اتحاد و یگانگت کا سبب سمجھ کر قبول کرنے میں تردد نہ کیا۔ لیکن ترجمانِ حقیقت پر جب ان باطل قوتوں کے عزائم آشکارا ہوئے تو انہوں نے بانگِ درا سے اپنے کاروانِ ملت کو جگایا اور خود جہاد کے لئے کمر بند ہو کر میدان میں اتر پڑے اور ترانۂ ملی "چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا مسلم ہیں ہم، وطن ہے سارا جہاں ہمارا" گاتے ہوئے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا تصور پیش کر کے دوبارہ احیائے ملت اور اتحاد امت کے لئے راہیں ہموار کیں۔ کبھی خضرِ راہ کے لباس میں استعماری فتنوں اور مغربی مُسکرات سے آگاہ کیا۔

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات [۲۵]

---

[۲۴] پس چہ باید کرد صفحہ ۵۶۔ [۲۵] بانگ درا صفحہ ۲۹۰۔

کبھی اس نظریۂ وطنیت وقومیت کو سب سے بڑا بت بتا کر کراری و ابراہیمی شان پیدا کرنے اور پیہم جہاد کے لئے طیار ہونے پر اصرار کیا :۔

اس زمانہ میں کوئی حیدرِ کرار بھی ہے؟ — بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن[۳۶]

تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا — دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش[۳۷]

اقبال نے نظریہ وطنیت وقومیت کے خلاف اس لئے جہاد کیا کہ یہ تہذیب حاضر کا بہت بڑا شیطانی حربہ ہے اور اس کی زد اسلام کی بنیاد پر پڑتی ہے، دینِ حق اسلام ہی صرف ایک ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا ضامن ہے جب بھی کوئی دوسرا انتظام، ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا دعوی کرے گا تو دونوں میں تصادم ناگزیر ہے۔ یہ دوسرا متقابل نظام صرف شرک والحاد کی بنیادوں پر قائم ہو سکتا ہے۔ جس طرح نظریۂ وطنیت کے مندرجہ ذیل چند اقتضاءات سے عیاں ہوتا ہے :۔

۱۔ وطن انسان کی تمام وفاداریوں کا مرکز ہے۔

۲۔ دین و وطن کی آمیزش میں وطن کا ساتھ دینا ضروری و اولیٰ ہے۔

۳۔ مذہب اور سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں، مذہب انسان کا نجی (پرائیویٹ) معاملہ ہے لیکن وطن اجتماعی معاملہ۔ لہٰذا مفاد اجتماع کے لئے مفاد فرد کو قربان کرنا ناگزیر ہے۔

۴۔ فرد کی حیات و موت، جد وجہد اور سعی و عمل وطن کے لئے ہے۔

یہ تمام اصول قومیت اسلام کے نقیض ہیں[۳۸] اس لئے اقبال نے تقریباً ۱۹۰۸ء سے اس نظریہ کے خلاف جہاد شروع کیا اور تادمِ زیست اس میں ثابت قدم رہے۔ بانگ درا کی ایک غزل کے مندرجہ ذیل اشعار تقریباً ۱۹۰۸ء کے بعد کے ہیں جہاں سے اقبال کی شاعری کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کی رائے میں اقبال نے ۱۹۱۰ء سے قومیتِ اسلام کی تشریح پر قلم اٹھایا اور تا وفات دورِ حاضر کے تراشیدہ بت کی دھجیاں اڑاتے رہے۔

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

---

[۳۶] بال جبریل صفحہ ۹۳۔ [۳۷] ارمغان حجاز صفحہ ۲۳۰۔ [۳۸] ملاحظہ ہو بانگ درا میں نظم بعنوان وطنیت صفحہ ۱۷۳۔

کہاں کا آنا کہاں کا جانا فریب ہے امتیازِ عقبیٰ
نمود ہر شے میں ہے ہماری کہیں ہمارا وطن نہیں ہے

اقبال جیسے مصلحِ انسانیت کو معلوم تھا کہ ہر وہ اجتماعی نظام انسانیت کے لئے فتنہ ہے جس کی بنیاد روحانی اقدار پر نہ ہو۔ جو مذہب کی قوت سے خالی ہو اور احتسابِ کائنات (لا و الّا) سے عاری ہو۔

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی — ہوس کی امیری ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لئے نامرادی — دوئی چشم تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرانشیں کا — بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری!
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی — کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری [۳۹]

اس لئے اقبال نے افرادِ ملت کو بتانِ رنگ و خوں توڑنے، پارس و شام سے گزرنے، امتیازِ رنگ و خوں مٹانے اور حصارِ دین میں محصور ہو کر اپنی ہستی کو زندۂ جاوید بنانے کی تلقین کی۔

ربط و ضبطِ ملت بیضا ہے مشرق کی نجات — ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو — ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر
جو کرے گا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائیگا — ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر!
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی — اڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہ گزر
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا — نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی! [۴۰]

کیوں کہ

قوم تو از رنگ و خوں بالاتر است — قیمتِ یک اسودش صد احمر است!
فارغ از باب و ام و اعمام باش — ہمچو سلماں زادۂ اسلام باش! [۴۱]

ملت اسلامیہ کا اتحاد ابدی حیی و قیوم، ہستی مطلق اور اس کے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم سے عشق کی بنیاد پر قائم ہے۔ جس کے مقابلہ میں اتحاد و یگانگت کے باقی تمام رشتے فانی اور عارضی ہیں!

ملتِ ما شانِ ابراہیمی است — شہد ما ایمانِ ابراہیمی است
گر نسب را جزوِ ملت کردۂ — رخنہ در کارِ اخوت کردۂ!!

---

[۳۹] بالِ جبریل صفحہ ۱۷۰۔ [۴۰] بانگِ درا میں نظم خضر [۴۱] اسرار و رموز صفحہ ۱۸۶۔

نیست از روم و عرب پیوند ما نیست پابند نسب پیوند ما
دل بمحبوبِ حجازی بستہ ایم زیں جہت بایکدگر پیوستہ ایم

عشقِ او سرمایۂ جمعیت است ہمچو خوں اندر عروقِ ملت است
عشق در جان و نسب در پیکر است رشتۂ عشق از نسب محکم تر است
امتِ او مثلِ او نورِ حق است ہستیٔ ما از وجودش مشتق است
نورِ حق را کس نجوید تار و پود خلعتِ حق را چہ حاجت تار و پود
ہر کہ پا در بند اقلیم و جد است بے خبر از لم یلد، لم یولد است ۴۲ه

جب ترجمانِ حقیقت نے تمام عارضی اعتبارات (قومی، نسلی، وطنی وغیرہ) ترک کرنے کی تبلیغ کی تو اس پر یگانوں اور بیگانوں کی طرف سے اعتراضات ہونے لگے۔ اپنوں نے کہا کہ جذبہ حُبِ وطن کی تذلیل کر رہا ہے۔ غیروں نے کہا کہ وہ اپنی حکمت کے موتی اور جواہرِ معرفت صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص کر رہا ہے۔ اقبال نے ان اعتراضات کا نہایت بلیغ و شافی جواب دیا جو ان کی زبان سے سنئے۔ اپنوں سے کہا :-

گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے ارشادِ نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

"میں سمجھتا ہوں وطن پرستی کا خیال جو قومیت کے تصور سے پیدا ہوتا ہے ایک طرح سے مادی شے کا تالیہ ہے جو سراسر اصولِ اسلامی کے خلاف ہے اس لئے کہ اسلام دنیا میں ہر طرح کے شرکِ خفی وجلی کا قلع قمع کرنے کے لئے نمودار ہوا تھا لیکن اس سے یہ گمان نہ کیا جائے کہ میں جذبۂ حبِ وطن کا سرے سے خلاف ہوں" ۴۳ه

معترضین نے سوال کیا کہ اس سے پہلے تم ہی نے کہا تھا :-

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا
اجاڑا ہے تمیزِ ملت و آئین نے قوموں کو مرے اہلِ وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے؟

تو اقبال نے فراخ دلی سے اپنی غلطی و کمزوری کا اقرار کیا اور فرمایا :-

"میں سماجی اتحاد کے لئے وطن کو ایک بنیاد سمجھتا تھا اس لئے خاکِ وطن کا ہر ذرہ مجھے دیوتا دکھائی دیتا تھا۔ اس وقت میرے خیالات مادیت کی طرف مائل تھے۔ سوائے وطن کے مجھے انسانوں میں اتحاد کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ

۴۲ه اسرار و رموز صفحہ ۱۸۹ - ۱۹۰ ۴۳ه ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر

دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اب میں انسانوں کو صرف ازلی اور ابدی روحانی بنیادوں پر متحد کرنا چاہتا ہوں اور جب میں اسلام کا لفظ استعمال کرتا ہوں تو میری مراد اس سے یہی روحانی نظام ہے۔"[۴۴]

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اقبال ایک انسان دوست شاعر و حکیم تھا۔ یورپ کے سفر سے پہلے وہ ایک شاعر تھا۔ مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کی بنا پر مسلمان بھی تھا اس وقت اس کے دل و ذہن میں اتحادِ انسانیت کی بنیاد محبت تھی۔ چنانچہ جہاں بھی اس نے ہندی وطنیت کے لئے اپنے جذبات کا اظہار کیا وہاں اتحادِ انسانیت بر بنائے محبت کا اظہار لازمی ہوا۔ ثبوت کے لئے چند اشعار ملاحظہ ہوں :۔

تصویرِ درد میں :۔

مجھے اے ہمنشیں رہنے دے شغلِ سینہ کاری میں
کہ میں داغِ محبت کو نمایاں کر کے چھوڑوں گا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیرِ امتیازِ ما و تو رہنا
مرض کہتے ہیں سب اس کو یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں علاجِ گردشِ چرخِ کہن بھی ہے

اور نیا شوالہ میں ملاحظہ ہو :۔

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مُکتی پریت میں ہے

مغرب میں تعلیم حاصل کرنے سے قبل جب انہوں نے درگاہ نظام الدین اولیاؒ کی زیارت کی تو وہاں کی دعا میں یہ بھی شامل تھا :۔

مری زبانِ قلم سے کسی کا دل نہ دُکھے — کسی سے شکوہ نہ ہو زیرِ آسماں مجھ کو

جب اس نے مغرب و مشرق کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا، تفقہ فی الدین اور طوفانِ مغرب نے اس کے قلبِ سلیم کو قوتِ ایمان بخشی تو اس کی فراست نے تاڑ لیا کہ اتحاد و اصلاحِ انسانیت کا روحانی نظام اسلام ہی ہے اور اس کی عملی صورت ارتکازِ ملت ہے۔ تو انہوں نے نظریۂ ملت یا اسلام کا تصورِ قومیت دنیائے انسانیت کے سامنے پیش

---

[۴۴] اقبال کامل بحوالہ رسالہ اردو اقبال نمبر صفحہ ۹۳۹۔

کیا۔ اقبال کے اس نظامِ ملت کی اشاعت کو کسی حادثہ یا تاریخی واقعہ کا ردِعمل کہنا قرینِ انصاف نہیں[45] بلکہ اتحادِ انسانیت کے لئے صرف یہی قابلِ عمل نظام ہونے کی بنا پر اقبال جیسے خیر خواہِ انسانیت کا اس میں عصبیت پسند اور متشدد ہونا ناگزیر تھا۔ [46]

اغیار و مستشرقین کا اعتراض یہ تھا کہ اتحادِ انسانیت کا مبلّغ اقبال مسلم دنیا کا محدود نظریہ پیش کر رہا ہے وہ اپنے فلسفہ کے عمومی اور عالمگیر اصولوں کا دائرہ مطلق مقید کر رہا ہے، تو اقبال نے بصراحت اس امر کی توضیح کر دی: "اصلاحِ انسانیت کا نصب العین شاعری اور فلسفہ میں ہمیشہ عالمگیر رکھا جاتا ہے۔ لیکن جب اس کا اطلاق عملی زندگی میں حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو لامحالہ اس کا آغاز کسی مخصوص جماعت سے کرنا پڑیگا جو ایک مستقل مسلک اور متبیّن و معیّن طریقِ عمل رکھتی ہو لیکن اپنے عملی کردار اور تبلیغ سے اپنی حدود کو وسیع کرتی چلی جائے۔ میرے عقیدے کی رُو سے اس قسم کی جماعت "امت مسلمہ ہے۔" [47] ڈاکٹر نکلسن کے نام اسی خط میں اقبال نے واضح کر دیا تھا کہ بیس سال کی فلسفیانہ تحقیق و تدقیق کے بعد تعصب سے بالاتر ہو کر وہ عالمگیر تعمیری نصب العین کے لئے صرف نظامِ اسلام ہی کو پیش کر سکتا ہو۔

اقبال نے ملت کے ارکانِ ثلاثہ توحید، رسالت وختمِ نبوت اور قرآن کے ساتھ ساتھ ملت کے لئے مرکز کا وجود بھی ناگزیر قرار دیا ہے۔

مرکز کو وہ اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ ملت کی شیرازہ بندی کے لئے وہ ایک نمائش گاہ کی حیثیت رکھتا ہے جو ملت کے انتظام و انصرام اور ربط و ضبط کے لئے ضروری ہے۔

قوم را ربط و نظام از مرکزے — روزگارش را دوام از مرکزے
راز دار و رازِ ما بیت الحرام — سوزِ ما ہم سازِ ما بیت الحرام
چوں نفس در سینۂ او پروریم — جانِ شیرین است او ما پیکریم
در جہاں جانِ امم جمعیت است — در نگر سرِّ حرم جمعیت است [48]

---

[45] The Image of West in Iqbal by M. Siddique — Bazm-e-Iqbal Lahore, 1956. P. 18
[46] حوالہ سابقہ صفحہ ۲۱
[47] Thoughts and reflections of Iqbal, P-98, by S.A Wahid May, 1964.
[48] اسرار و رموز صفحہ ۱۰۹-۱۰۰

مرکز کے بغیر وحدتِ افکار اور حال و استقبال سے ماضی کے وہ رشتے قائم نہیں رہ سکتے جن کے بغیر ملت اپنے وجود و حیات کو قائم نہیں رکھ سکتی اور اپنے مدعا و مقصود سے غافل اور جوشِ آرزو سے خالی ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ ملت کے لئے موت ہوتا ہے :۔

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی ‌ ‌ ‌ ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے خدائی [۴۹]
ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت ‌ ‌ ‌ وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد [۵۰]

عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے ‌ ‌ ‌ حرم کا رازِ توحیدِ امم ہے
تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب ‌ ‌ ‌ کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے [۵۱]

ملت کے لئے مرکزیت کے التزام کو میلانِ حجازیت کہہ کر ماضی پرستی اور رجعت پسندی کا نتیجہ بتانا[۵۲] اس کے مندرجہ ذیل اشعار سے ناواقفیت اور کم نظری کی دلیل ہے :

تو اے کودکِ منش خود را ادب کُن ‌ ‌ ‌ مسلماں زادۂ ؟ ترکِ نسب کُن
برنگِ احمر و خون و رگ و پوست ‌ ‌ ‌ عرب نازد اگر ترکِ عرب کُن ! [۵۳]

یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے ‌ ‌ ‌ غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے ‌ ‌ ‌ اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے
نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے [۵۴]

اگر اقبال نے یثرب (حجاز و حرم) کو مسلم کا دیس کہا ہے تو فقط اس لحاظ سے کہ وہ ایک نقطۂ جاذب ہے تاثر کی شعاؤں کا[۵۵] انہوں نے نہایت عمدہ طریق سے ملت کے ہر فرد کو مرغِ حرم کہہ کر اس کی مرکزیت کے ساتھ وابستگی کو یوں واضح کیا :۔

زندگی مرغِ نشیمن ساز نیست ! ‌ ‌ ‌ طائرِ رنگ است و جز پرواز نیست [۵۶]
خلوت اندر تن گزیند زندگی ! ‌ ‌ ‌ انجمن ھا آفریند زندگی !

---

۴۹ ضربِ کلیم صفحہ ۱۷۸۔ ۵۰ ضربِ کلیم صفحہ ۲۰۔ ۵۱ بالِ جبریل صفحہ ۱۱۷۔ ۵۲ اقبال از مجنوں گورکھپوری صفحہ ۴۸ - ۴۹۔ ۵۳ پیامِ مشرق صفحہ ۵۲۔ ۵۴ بانگِ درا صفحہ ۱۷۳۔ ۵۵ بانگِ درا صفحہ ۱۵۷۔ ۵۶ اسرار و رموز صفحہ ۱۵۵

ملّتِ اسلامیہ جس کی بنیاد توحید و رسالت، آئین، کتاب زندہ، مرکز، حرم، زمان و مکاں سے ماورا، ابدیت سے ہمکنار، حفظ و نشرِ توحید اس کا نصب العین تسخیر قوائے نظامِ عالم اس کی توسیعِ حیات کا راز اور اجتماعی خودی اس کی حیات و زیست کا سبب اور فرد و جماعت اس میں لازم و ملزوم ہیں [۵۷] یہی ایک ایسی جماعت ہے جو وحدتِ آدم اور ملتِ آدم کے لئے دامن کشا اور سازگار ہے اس کا قیام امن عالم، احترامِ آدمیت اور وحدتِ آدم کے بل بوتے پر ہی ہو سکتا ہے۔

اس دَور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام — پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم
تفریقِ مِلل حکمتِ افرنگ کا مقصود! — اسلام کا مقصود فقط ملّتِ آدم!!
مکّے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام! — جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم!! [۵۸]

قومیتِ اسلام کی اس کسوٹی پر جب مسلمانانِ عالم کو پرکھا جاتا ہے تو کسی کا بدن اس قبا کے شایانِ شان نظر نہیں آتا۔ حکیمِ اسلام کے سامنے یہ منظر بھی تھا۔ انہوں نے اس مایوس کن حالت کے اسباب کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے پیغام سے ان کے تنِ مردہ میں روحِ خفتہ کو بیدار کر دیا ان کے پیام کا بنیادی مقصد معراجِ آدمیت اور ارتفاعِ انسانیت ہے اس محرمِ راز کو مسلمِ کامل کے معقود کی اہمیت کا احساس تھا۔ انہوں نے انسانیت کے جملہ امراض کا علاج احترامِ آدمیت میں پایا جس کی بنیاد عشق و عقل کے خوشگوار امتزاج کے ذریعہ عالمِ نو پیدا کر کے رکھی جا سکتی ہے اور اس عالمِ نو کو پیدا کرنے والی اور معراجِ انسانیت کی ضامن صرف وہی جماعت ہو سکتی ہے جو اجل سے بے پروا محافظِ کائنات کی حفاظت میں آجائے۔

گرچہ ملّت ہم بمیرد مثلِ فرد — از اجل فرماں پذیرد مثلِ فرد
امتِ مُسلم ز آیاتِ خدا است — اصلش از ھنگامہ قالو بلیٰ است
از اجل ایں قوم بے پرواستے! — استوار از نحن نزلنا ستے!!
ذکر قائم از قیامِ ذاکر است — از دوامِ او دوامِ ذاکر است! [۵۹]

لیکن اگر ملّت اپنے تمام عناصرِ ترکیبی سے خالی اور اپنے آئین سے ہٹنے لگے تو فطرت کا قانون ہے کہ اس کی جگہ کوئی ایسی جماعت لے گی جس کی ساخت ان عناصرِ ترکیبی سے عمل میں آئے گی اور جو اپنے آئین پر مرمٹنے اور اسے اپنی زندگی کے ہر لمحہ اور ہر دائرہ میں قابلِ عمل بنانے کی اہل ہو گی۔ کیونکہ ملّت کا وجود اور اس کی حیات آئین

[۵۷] اسرار و رموز کو بغائر پڑھیں۔ [۵۸] ضربِ کلیم صفحہ ۵۴ - ۵۵۔ [۵۹] اسرار و رموز صفحہ ۱۲۷

پر مبنی ہے ۔

از یک آئینی مسلماں زندہ است ؛ پیکرِ ملت ز قرآں زندہ است [۶۰]

دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان کا قیام اسی آئین کو زندہ اور قابلِ عمل بنانے، ملت کی نئے سرے سے تشکیل کرنے اور اتحاد و احترامِ انسانیت کے لئے دنیا کے سامنے نظامِ فکر و عمل پیش کرنے کی خاطر معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اب ہمیں خود انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنا محاسبہ کرنا چاہیئے کہ ان مقاصد کی خاطر ہم نے کیا کیا اور کیا کر رہے ہیں ؟ کیا کہیں ہم ان مادی و ناپائیدار حدود و قیود، رنگ و نسل، نسب و علاقائیت اور زمان و مکاں کے بت تو نہیں تراشنے لگے ؟ ہمارا کوئی آئین بھی ہے یا نہیں ؟ اور ہم اپنے آئین سے کس قدر وابستہ ہیں، کوئی اجتماعی نصب العین اور کوئی مرکز بھی ہے یا نہیں ؟ غرض ملتِ اسلامیہ کہلانے کے لائق بھی ہیں یا نہیں ؟ اگر جواب نفی میں ہے تو آیئے ملت کی نئے سرے سے تشکیل کریں تاکہ خلافت الٰہی کی قبا کے حقدار اور ابدی حیات سے ہمکنار ہو سکیں ۔

بیا نقشِ دگر ملت بہ ریزیم ؛ کہ ایں ملت جہاں را بارِ دوش است
دگر ملت کہ کارے پیش گیرد دگر ملت کہ نوشش از نیش گیرد
نگردد با یکے عالم رضامند دو عالم را بہ دوشِ خویش گیرد ! [۶۱]
بباغاں عندلیبے خوش صفیرے براغاں جرّہ بازے زود گیرے [۶۲]
امیرِ او بسلطانی فقیرے
فقیرِ او بدرویشی امیرے

---

[۶۰] اسرار و رموز صفحہ ۱۴۵ ؛ [۶۱] ارمغان حجاز صفحہ ۱۸ - ۱۹ ؛ [۶۲] ارمغان حجاز صفحہ ۹۹